ڈاکٹر روبینہ شاہین
وقار النساء گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، راولپنڈی

’’دلگداز‘‘ کا تنقیدی و تحقیقی مطالعہ

Abdul Haleem Sharer had published many journals but none other journal of him could enjoy that much importance and publicity which "Dilgudaas" did. Its quality was that all that material which was published in it was Sharer's own brainchild. Through his writing in "Dilgudaas" Sharer reminded the Muslims of their great deeds of past and made them ponder the reasons of their downfall. He had transferred his feelings, aspirations and views to the public and undoubtedly played an important role in literature and public life. This journal was a favourite with Sharer as it had all that politeness and sweetness of the dialect of Lukhnow city. "Dilgudaas" had the same beauty and sweetness which was a distinctive feature of Sir Syed Ahmad Khan's writings.

عبدالحلیم شرر نے یوں تو کئی رسائل نکالے لیکن جو مرتبہ و مقام دلگداز کو نصیب ہوا وہ دیگر رسائل کو نہ مل سکا۔ جس طرح سر سید احمد خان کے تہذیب الاخلاق نے اپنے عہد میں مسلمانوں کی بیداری میں اہم کردار ادا کیا اسی طرح دلگداز نے بھی علم و ادب کی خدمت کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ تہذیب الاخلاق اور دلگداز میں بنیادی فرق یہ ہے کہ تہذیب الاخلاق میں سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی نگارشات شائع ہوتی تھیں جبکہ دلگداز میں چھپنے والا سارا مواد تنہا عبدالحلیم شرر کے قلم کا کرشمہ تھا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس کے ذریعے سے شرر نے مسلمانوں کو ان کے قدیم کارنامے یاد دلا کر موجودہ تنزل کے اسباب پر غور فکر کی دعوت دی ۔ دلگداز وہ رسالہ تھا جس نے شرر کی آرزوؤں ، تمناؤں اور خواہشات و نظریات کو عوام الناس تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ۔ عبدالحلیم شرر نے جب "اودھ اخبار " سے اپنا تعلق ختم کیا تو ان کی مالی حالت کچھ بہتر نہ رہی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ انہی حالات میں ڈپٹی نذیر احمد کے بیٹے مولانا بشیر الدین کی ملاقات شرر سے ہوئی تو انہوں نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خود رسالہ نکالیں ۔اس رسالے کے اجراء کا سب سے بڑا محرک یہی تھا۔ مولانا بشر الدین اس واقع کو یوں بیان کرتے ہیں:

> مالی مشکلات اور بیکاری کی وجہ سے مولانا مرحوم تمام علمی مشاغل کو ترک کر چکے ۔خود مولانا کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آئندہ وہ کیا کریں مختلف تجویزیں سوچتے تھے لیکن سب ناقابل عمل ہوتی تھیں۔ اسی زمانہ میں میں جب لکھنو گیا اور مولانا کی پریشانی کا مجھے علم ہوا اور انہوں نے مختلف تجویزیں جو اپنے متعلق سوچی تھیں میرے سامنے پیش کیں۔ آخر کو بہت سی گفتگو کے بعد میں نے ان کو مشورہ دیا کہ جس قسم کا انداز تحریر دلچسپ اور دلکش ،میں اختیار کیا گیا ہے،

اگراسی انداز اور اسی رنگ میں کوئی ماہواری رسالہ نکالا جائے تو یقیناً رسالہ کامیاب ہوگا۔۔۔ جب میں نے ایک تعداد اپنے ذمے مقرر کر کے پیشگی قیمت ادا کی اور یہ کہا کہ اس میں اشتہار طبع کرایا جائے اور میں لکھنو کے دوستوں سے کہہ کر اس قدر روپیہ جمع کر دوں گا کہ جس سے پرچہ شائع ہوجائے تو مولانا کی ہمت بندھی۔اسی وقت رسالہ کے مختلف نام تجویز ہوئے ۔آخر کار'دلگداز' نام قرار پایا۔[1]

ڈاکٹر فاروق عثمان رقمطراز ہیں:

اس رسالے میں ایسے مضامین کی اشاعت ہوئی جو مقفیٰ مسجع عبارت اور اسلوب سے ہٹ کر ایسے طرز تحریر کے حامل تھے جو فارسی عربی اور اردو زبان کی ساری تشبیہاتی اور استعاراتی دل کشی کے ساتھ عام فہم اور اعلیٰ مذاق ادب کے مطابق تھے۔اس طرح کے نمونے اردو ادب میں اب تک بہت کم تھے ۔[2]

اس سے ثابت ہوا کہ شرر کے' 'دلگداز'' کی وجہ سے مضامین لکھنے والوں کو ایک نیا اسلوب ملا جس کو اپنا کر بڑے بڑے مضمون نگاروں نے اردو ادب میں اپنا خاص مقام حاصل کیا اگرچہ سرسید احمد خان اور محمد حسین آزاد شرر سے پہلے اس میدان میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے۔لیکن شرر کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ان سے الگ ایک راستہ اپنایا۔شرر نے 'دلگداز' 'عنوان کے تحت ایک مضمون لکھا یہ مضمون اس رسالے کی اشاعت کی تمہید وتقریب کے لیے لکھا گیا تھا۔ اپنے اس مضمون میں شرر نے ''دلگداز'' کے اغراض و مقاصد اپنے مخصوص انداز میں بیان کیے ہیں لکھتے ہیں:

قومی اغراض قوم سے بیان کرنے کے لیے اس وقت صدہا اخبار جاری ہیں بلکہ بعض اخبارات بڑی محنت و جاں کاہی سے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ایسے وقت میں ایک اور پرچے کا نکال دینا کسی حیثیت سے مفید نہیں ہوسکتا۔مگر دلگداز اس غرض سے شائع کیا گیا ہے کہ اپنے موثر اور دل ہلا دینے والے الفاظ سے اگر قوم کے دلوں پر فتح نہ پاسکے تو اپنا قومی مرتبہ آپ ہی پڑھے اور آپ ہی روئے اور اس بہانے سے اپنے دل کا بخار نکال ڈالا کرے۔[3]

قوم کے اندر بیداری کی لہر پیدا کرنے کا سب سے بڑا محرک ''دلگداز'' ثابت ہوا:''۔۔۔دلگداز اردو رنگ سخن میں ایک نئی روح پھونکنے اورنئی طرح کی قوت مقناطیسی پیدا کرنے کے لیے جاری ہوا تھا۔''[4] شرر نے ''دلگداز'' کے ذریعے سے اردو میں ایک نیا اور اچھوتا رنگ پیدا کیا اورقوم کے اندرنئی روح پھونکنے کے لیے'پردرد اور پرسوز لہجے میں نالہ کشی کرتے رہے۔دلگداز کی وجہ سے اردو زبان و ادب کو بہت فائدہ پہنچا،اگرچہ اس پر بہت لوگوں نے اعتراضات بھی کیے لیکن اس کی اہمیت و افادیت اس سے ثابت ہوتی ہے کہ اپنے رنگ کا یہ اکیلا پرچہ تھا۔اس کا ایک ایک لفظ دل پر نشتر کا کام کرتا تھا اور اس کے خریداروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا۔اس میں جو مضامین چھپتے تھے ان کا اثر بھی مہینوں قاری کے دل و دماغ پر رہتا تھا۔ اس پر نکتہ چینی کرنے والوں نے بہت نکتہ چینی کی لیکن شرر نے اپنے اس پرچے کو بند ہونے کے بعد پھر جاری کر کے ثابت کر دیا کہ اس پرچے کی قدر و قیمت کیا ہے؟ اس پرچے کی قدر و قیمت کا اندازہ شرر کے مضمون''۱۸۸۷ء اور ہم'' سے لگایا جاسکتا ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو:

اس میں شک نہیں کہ دل گداز اپنے رنگ میں اکیلا ہے اور جس رنگ میں جاری رہا وہ سب طبقوں کے نزدیک غیرمانوس ہے۔ ہماری آواز بہتوں کے کانوں کو گراں گزرتی ہے اور اکثر لوگ سمجھتے بھی نہ ہوں گے۔۔۔ ہم اپنے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اپنے خیال میں مستعد ہیں۔ہماری حیرت بھری آواز کا مزہ کوئی ہمارے ہی درد آشنا دل سے پوچھے۔۔۔دل گداز کا ایک ایک لفظ ان کے دل پر نشتر کا کام کرتا ہے اور ایک ایک مضمون کا اثر مہینوں

ان کے دل پر پڑا رہتا ہے۔۔۔ دل گداز اپنے دعوؤں میں اس حیثیت سے بھی کامیاب ہوا کہ اس کے رنگ پر چلنے والے ملک میں کچھ اور بھی نظر آنے لگے۔ بہت سے لوگ اس رنگ کو اپنی لیاقت اور اپنے درجے سے زیادہ سمجھ کر برا سمجھنے لگے تو اکثروں نے اسے اختیار بھی کیا اور کوشش کرنے لگے کہ جس طرح ہو سکے اردو زبان کو موثر بنائیں۔ ہم ان حضرات کے ممنوں ہیں۔اپنی اغراض میں ان کو اپنا قوت بازو سمجھتے ہیں۔ [۵]

شرر نے ''دلگداز'' میں جو رنگ اپنایا تھا۔اس پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا گیا تھا کہ اس رنگ میں ملکی،اخلاقی یا علمی مسئلے پر دو جملے بھی نہیں لکھے جاسکتے،لیکن شرر نے اسی رنگ میں اور اسی پرچے میں مختلف موضوعات پر لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ اس رنگ میں بھی ہر طرح کے مضامین لکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ان کے معترضین کو آخر کار یہ ماننا پڑا کہ شرر نے غلط نہیں کہا۔شرر اپنے اسی مضمون میں لکھتے ہیں:

> بہت بڑا اعتراض دل گداز کے رنگ پر ہے کہ اس زمین میں ملکی یا اخلاقی یا علمی مسئلے پر دو سطریں بھی نہیں لکھی جاسکتیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ خواہ مخواہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گی مگر تسلیم کرنے سے پہلے ہم معترضوں کی سمجھ پر افسوس ضرور کرلیں گے۔۔۔ یہ نازک خیالی ہمارے ہم عصر انشاپردازوں ہی کو سوجھی۔۔۔ نکتہ چینیوں کی خامہ فرسائیوں کی ہمیں کچھ پروانہیں اور یہ ہمارے دل کو اس قدر مضبوط کر چلا ہے کہ آیندہ بھی ہمیں پروانہیں۔ [۶]

''دلگداز'' کے صفحات پر جو مضامین شرر نے لکھے ان سے ان کا قومی درد اور اپنی قوم کو بیدار کرنے کا جذبہ موجود ہے۔ وہ تمنا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں پھر سے وہ جذبہ پیدا ہو جن کی بنا پر انہوں نے دنیا پر حکمرانی کی ہے۔شرر نے اپنے مضمون ۱۸۸۸ء میں ''دلگداز'' کی ترقیوں کا ذکر کیا ہے اور تاریخی مضامین جو دل گداز میں اس سال چھپے تھے ان کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:''۸۷ء میں صرف خیالات سے مدد لی گئی تھی۔۔۔لیکن ۸۸ء میں واقعات پر بھی نظر ڈالی گئی اور حتی الامکان عمدہ عمدہ تاریخی مضامین شائع کیے گئے۔'' [۷]

۸۸ء کا سال ''دلگداز'' کی ترقیوں کا سال ثابت ہوا۔ اب اس پرچے میں نہ صرف شاعرانہ خیالات پر مبنی مضامین چھپتے ہیں بلکہ تاریخی واقعات پر مبنی مضامین اور ناول بھی اس پرچے میں شائع ہونے لگے۔ ان مضامین اور ناولوں نے مسلمانانِ ہند کی بیداری میں اہم کردار ادا کیا اور مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ وہ کس قوم کے افراد ہیں اور آج کیوں ذلت آمیز زندگی بسر کر رہے ہیں؟

عبدالحلیم شرر کے جو مضامین' دلگداز'' میں شائع ہوئے تھے وہ اپنے دور میں بھی بڑی قدر و قیمت کے حامل تھے اور آج کے دور میں بھی ان کی قدر و قیمت کسی طرح کم نہیں ہوئی۔ نہ صرف مضامین بلکہ جو ناول اس میں چھپتے تھے انہوں نے اس زمانے میں اپنے ایک ایک حرف اور ایک ایک جملے سے حمیت اسلامی کو جگایا اور انہی ناولوں کی بدولت قومی جوش وخروش اور ترقی کرنے کے جذبات مسلمانانِ ہند میں ابھرے تھے۔''دلگداز'' کے'اداریے' جو مضامین شررآغاز و اختتام سال کے مجموعے میں شامل ہیں ان میں قومی ہمدردی اور مسلمانانِ ہند کے متعلق فکر مندی کے احساسات و جذبات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔شرر کے عہد میں جتنے بھی اخبارات و رسائل نکلتے تھے ان سب میں مسلمانوں کی موجودہ صورت حال پر اظہار خیال موجود ہوتا تھا۔لیکن شرر کو ان اخبارات کا طریقہ نصیحت کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں:

> قومی دنیا کس رنگ پر ہے؟ اس کو سب ہی جانتے ہیں ،آئے دن اخبارات میں یہی تذکرہ رہتا ہے کہ مسلمان لوگ سُست بین، جفاکشی سے بھاگتے ہیں۔ ترقی کرنا نہیں جانتے اور ترقی کے متعلق ان کو کسی بات کی آرزو نہیں ہوسکتی۔ مگر ہم کو تو یہ طریقہ نصیحت اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ سچ پوچھئے تو اس قسم کے مضامین نے اور ہمتیں پست کر دیں اور اس

میں بھی شک نہیں کہ ریفارمران قوم جس رنگ پر لوگوں کو لے جانا چاہتے ہیں اکثر مسلمانوں نے اسی رنگ کو اختیار کر لیا ہے اور روز بروز اختیار کرتے جاتے ہیں۔ عام طور پر قومی دنیا میں ایک حرکت نمودار ہوئی۔ اب رہا یہ کہ انتہائی درجہ ترقی پر پہنچے ہوئے زیادہ مسلمان نظر آئیں یہ ہوتے ہوتے ہوگا۔ [۸]

شرر کا یہ رسالہ اس وجہ سے بہت اہمیت کا حامل تھا کہ اس میں جو مواد شائع ہوتا تھا وہ ہر حالت میں اور ہر وقت اپنا لطف دکھانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ بقول شرر:

۔۔۔ دل گداز اخبار نہیں ہے کہ اس کے نہ پہنچنے سے چیزوں کا سلسلہ موقوف ہوجائے ۔ دیر میں شائع ہونے سے خبریں پرانی ہوجائیں وہ ایسے مضامین اور ایسے خیالات پیش کرتا ہے جو ہر وقت نئے اور ہر حالت میں اپنا لطف دکھا سکتے ہیں۔ [۹]

جس طرح اس عہد میں ''تہذیب الاخلاق'' کو اہمیت دی جاتی تھی وہ پبلک کا مقبول ترین رسالہ تھا۔ اسی طرح شرر کا ''دلگداز'' بھی پبلک میں بڑی قدر و منزلت رکھتا تھا۔ یہی وہ پرچہ تھا جس نے اردو زبان و ادب پر بہت احسانات کیے، اردو زبان میں نئی روح پھونکی جو نہ صرف شرر کو ہی دل پذیر تھا بلکہ پبلک بھی اس کی شیدائی تھی۔

دل گداز جس کو پبلک نے مدت تک بڑی عزت کی نظر سے دیکھا اور جس نے اپنے امکان بھر اردو لٹریچر پر بہت کچھ احسانات کیے اور جس کا یہ دعویٰ کسی حد تک قابل تسلیم خیال کیا جانے لگا تھا کہ اس نے اردو زبان میں ایک نئی روح پھونکی۔ اور جو اپنی مذکورہ یادگار زمانہ کارگزاریوں کی بنا پر ہم کو اور نیز ہماری قوم کو بہت پیارا تھا۔ [۱۰]

عبدالحلیم شرر کا یہ رسالہ اپنے پرجوش مضامین، تاریخی واقعات، پردرد نغموں اور دلفریب عبارتوں کی وجہ سے پبلک میں مقبول تھا۔ اس رسالے کو زمانے کے ہاتھوں بار بار منظر عام سے ہٹنا پڑا اور بار بار اشاعت کے مراحل سے گزرنا پڑا نہ چاہتے ہوئے بھی شرر اس کو اپنی مصلحتوں اور مجبوریوں کے تحت بند کرنے پر مجبور ہوئے ۔انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز کے وقت کئی ایک پرچے نکل رہے تھے۔ لیکن ان تمام میں یہ بڑا ''تہذیب الاخلاق'' کی طرح کا نمایاں پرچہ تھا۔

جس طرح سرسید احمد خان کا ''تہذیب الاخلاق''، مولانا محمد علی کا ''ہمدرد'' ابوالکلام آزاد کا ''الہلال'' آج بھی اپنی اہمیت و افادیت کے پہلو کی بنا پر تاریخ ادب اردو کا حصہ بنے ہوئے ہیں اسی طرح شرر کا ''دلگداز'' بھی 'تاریخ ادب اردو' کی زینت کا باعث ہے۔ شرر نے ۱۹۰۸ء اور دل گداز، کے نام سے ایک اداریہ لکھا تھا جس میں ''دلگداز'' کے عروج و زوال کی داستان اور اس کی مکمل تاریخ اپنے دلکش پیرائے میں بیان کر دی تھی۔ اس رسالے کی داستان کو شرر داستان غم سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذرا اس کی سرگزشت تو سنو، گویا ایک داستان غم ہے مگر داستان غم ہی مزے کی بھی ہوتی ہے اور کچھ ایسی ہی باتیں دل میں بھی لگتی ہیں آج سے بائیس سال پہلے جب کہ یہ بیسویں صدی شروع نہیں ہوئی تھی اور ایک تمہارے جانشین نائب زمانہ ۱۸۸۷ء کا عمل تھا۔ دل گداز لکھنو سے جاری ہوا۔ اس کی اس وقت کی آب و تاب، چمک دمک اور دلفریبی و رعنائی دیکھنے کے لائق تھی اور اس کی اس وقت کی میٹھی اور دل میں اتر جانے والی باتیں سننے کے قابل تھیں۔ اس وقت یہ صرف ۱۶ صفحوں کا رسالہ تھا مگر وہ سولہ صفحے جن پر فقط عاشقانہ مضامین اور خیال آرائی، خیال آفرینی کے کرشمے ہوا کرتے تھے کیا کہیں کہ کیسے پرلطف، پر مذاق اور سراپا سوز و گداز ہوتے تھے۔ چند ہی روز میں اس کی دھوم مچ گئی اور ہر اردو زبان میں مذاق رکھنے والا اس کا دلدادہ و شیدا ہوگیا۔ غرض ۱۸۸۷ء ہر طرح اس کے حال پر شفیق و مہربان تھا۔ [۱۱]

پہلے پہل یہ سولہ صفحات پر مشتمل دھوم مچانے والا پرچہ تھا۔ ان سولہ صفحات پر شاعرانہ وعاشقانہ مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ پرچہ پرلطف، پر مذاق اور سراپا سوز و گداز تھا۔ اردو ادب کا ہر جاننے والا اس کا شیدائی تھا۔ ۱۹۰۶ء میں اس پرچے میں ۱۶ صفحات پر مضامین، ۱۶ صفحات پر ناول، ۱۶ صفحات پر تاریخ اور ۸ صفحات پر سوانح عمری شائع ہو رہی تھی۔ لیکن اس نے زمانے کے نشیب و فراز میں بھی اردو ادب کی وہ خدمت کی کہ کوئی اور رسالہ نہ کرسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اپنے عہد کا مشہور ومعروف پرچہ تھا۔ اس نے اردو ادب میں مضمون نگاری، تاریخی ومعاشرتی ناول نگاری، تاریخ نگاری اور سوانح نگاری کے وہ نمونے چھوڑے ہیں کہ جب تک اردو ادب ہے۔ یہ اصناف بھی شرر اور اس رسالے کی یاد کو تازہ کرتی رہیں گی۔ اس نے انشاپردازی اور لٹریری خدمات سرانجام دے کر اپنے عہد کے رسائل میں اپنی اہمیت و افادیت اور خوبیوں کو ثابت کر دیا۔ بقول شرر:

> اگر انصاف کیجیے تو ان ناکامیوں اور ایسی پریشان حالیوں کے ساتھ دل گداز کی لٹریری خدمتیں تھوڑی نہیں اور باوجود مر مر کے جینے اور گر گر کے اٹھنے کے دل گداز نے انشا پردازی کی دنیا میں ایسی یادگاریں نہیں چھوڑی ہیں جو کبھی زمانے کو بھول سکیں اور اردو زبان کے تمام رسالوں میں صرف دلگداز ہی اس دعوے کا مجاز ہوسکتا ہے کہ ''بہت است بر جریدہ عام و دوام'' یہ دل گداز ہی کے لیے ہے کہ اس کے ناولوں کی ہر دلعزیزی ومقبولیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ان کی اشاعت مطابع کی ہوس اور پبلک کے ہجوم شوق کی بدولت ہمارے بس اور قابو میں نہ رہ سکی۔[۱۲]

شرر کا ''دلگداز'' ۱۹۰۹ء سے پہلے جس انداز جس وضع و حالت پر نکلتا تھا اس کو شرر نے تبدیل کر دیا۔ نیا ''دلگداز'' پہلے سے کہیں بہتر تھا۔ اس کی چھپائی بھی اچھی تھی۔ ۱۹۰۹ء سے ''دلگداز'' کے تقطیع ۱۸+۲۲ کے بجائے ۲۰+۲۶ کر دی اور سطر جو پہلے چھوٹے صفحات پر ۲۵ ہوا کرتی تھیں اب آیندہ کے پرچوں میں ان کی تعداد ۲۱ کر دی گئی تا کہ خوب واضح اور روشن ہوں اور اس کی قدر دانی میں کمی واقع نہ ہو۔ دوسری تبدیلی یہ کی گئی کہ اس میں تاریخ اور سوانح کے سلسلے کو ختم کر دیا گیا اور جو صفحات ان کے لیے مخصوص تھے ان کو مضامین کے لیے مخصوص کیا گیا۔ اب نئی وضع کے ''دلگداز'' میں ۴۰ صفحات پر مضامین شائع ہوتے تھے اور ایک تبدیلی اس میں یہ بھی کر دی گئی کہ ہندوستان کے معروف ومشہور انشاپردازوں، محققوں اور فاضلوں کے مضامین اس میں شائع کیے جائیں۔ وہ ۴۰ صفحات جو مضامین کے لیے مخصوص تھے ان میں سے ۳۲ صفحات تو مضامین ہی کے لیے متعین کر دیئے گئے اور ۸ صفحات ہندوستان کے حالات و واقعات پر ریمارکس کے لیے مخصوص کیے گئے۔

> اب اس میں ایک پر اثر متانت پیدا ہوئی جو سنجیدہ اور متین لوگوں کو اپنا فریفتہ کر لیتی۔ چند سال بعد ایک جز تاریخ کا اور بڑھایا گیا جس نے اس میں پختہ مغزی کا جوہر پیدا کیا۔ اس کے چند روز بعد اس میں لائف کا ایک جز اور اضافہ کیا گیا اور اب یہ ساڑھے تین جز یعنی ۵۶ صفحوں کا ایک معقول ومتین رسالہ تھا جس میں ہر مذاق کی باتیں تھیں اور ہر رنگ کی دلفریبیاں۔[۱۳]

۱۹۰۰ء سال دلگداز کے لیے اس لیے بھی بہتر ثابت ہوا کہ اس سال اس میں ادبی خوبیاں بہت زیادہ تھیں۔ زبان، الفاظ، رنگ اور دلچسپ انداز سے اس سال ''دلگداز'' نے جو مواد پیش کیا وہ اس کی کامیابی اور قدردانی کی دلیل ہے۔ بقول شرر: ''بڑی ناشکری ہوگی اگر اس موقع پر ہم تیرے ان احسانات کو نہ ظاہر کریں گے جو خاص ہم پر اور ہمارے ''دلگداز'' پر ہوئے ہیں۔ ''دلگداز'' کے لیے سچ یہ ہے کہ تو تمام گزشتہ سنین سے اچھا اور خوش نصیبی کا سال تھا''۔[۱۴] یہ سال ''دلگداز'' کی اصلاح وترمیم کا سال ثابت ہوا۔

شرر کے اس رسالے کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں جتنے بھی مضامین پیش ہوتے ہیں وہ سب ایڈیٹر کے اپنے دل و دماغ کی

اختراع ہوتے تھے۔ ان کے تمام رسائل میں دلگداز اپنے مضامین کی اشاعت کے حوالے سے انفرادیت کا حامل تھا۔ اس میں اگرچہ یک رنگی تھی۔ لیکن ایڈیٹر ''دلگداز'' کو اس یک رنگی پر بھی ناز تھا۔ بقول شرر:

دلگداز کی خصوصیت ہے کہ اس میں جو کچھ ہوتا ہے خاص ایڈیٹر کے دماغ وقلم کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس میں اور کسی کے مضامین نہیں ہوتے۔ یہ شرط بجائے خود سخت ہے۔ بہت آسان تھا کہ ایک دس پانچ جز کا رسالہ نکال دیا جاتا جس میں ملک کے بہت سے انشا پردازوں کے مضامین جمع کر دیے جاتے۔ لیکن دلگداز کو اپنی اس یک رنگی پر ناز ہے اور دست بہ دعا ہے کہ خدا اس کو آخر تک نباہ دے۔ لیکن ناظرین سے امید ہے کہ اگر کبھی اس کے کسی مضمون کو اپنے مذاق میں پھیکا پائیں تو اس سخت ذمہ داری کا خیال کر کے جو دلگداز نے اپنے سر لی ہے معاف فرمادیں۔ [۱۵]

''دلگداز'' کے بارے میں رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

۔۔۔اس میں خاص قسم کے ایسے مضامین تھے جن کے نمونے اگر کوئی ڈھونڈے تو صرف انگریزی اعلی لٹریچر میں مل سکتے۔ اردو کا خزانہ اس وقت تک اس سے خالی تھا کسی خیال کو موثر بناتا اور بغیر تشبیہ و استعارہ کے اور بغیر قافیہ بندی کے کسی مطلب کو دلکش و دلفریب بنا دینا دلگداز کے معجز نگار ایڈیٹر کا خاص حصہ تھا۔ اس کے مضامین اس قدر پسندیدہ اور ایسے دلکش رنگ میں ڈوبے ہوتے تھے کہ سررشتہ تعلیم کو بھی اس کے کہ مولانا کو اس محکمے سے کوئی لگاؤ ہو۔ آپ کے مضامین لینے پڑے اور ہندوستان میں اردو کا کوئی کورس نہیں ہے جس میں دو ایک مضامین شرر کے نہ ہوں۔ [۱۶]

بقول علی عباس حسینی:

۔۔۔آپ نے مسلمانوں کو ان کے قدیم کارنامے یاد دلا کر موجودہ تنزل کے اسباب پر غور کرنے کی طرف مائل کرنا چاہا۔ اس لیے آپ نے کبھی صلیبی جنگوں کے معرکے 'ملک العزیز ورجینا' اور 'شوقین ملکہ' میں یاد دلائے کبھی روسوں پر ترکوں کی فتح 'حسن انجلینا' میں دہرائی، کبھی 'منصور موہنا' میں سندھ کے انصاری خاندان کے حالات قلمبند کیے اور کبھی 'فردوس بریں' میں فرقہ باطنیہ کی ملکی و مذہبی جنگ کے خاکے پیش کیے اور جیتے جی جنت کی سیر کرائی۔ [۱۷]

عبدالحلیم شرر کا یہ مشہور و معروف رسالہ اپنے وقت میں بہت مقبول ہوا۔ اس کی مقبولیت کا سبب شرر کا اس سے لگاؤ اور اس میں شائع ہونے والا لٹریچر او رزبان و ادب کی خدمت تھا۔ شرر نے اگرچہ دیگر رسائل و اخبارات بھی جاری کیے لیکن جتنا عزیز رسالہ یہ تھا اور کوئی نہ ہوسکا۔ شرر کا یہ رسالہ اتنا خوش قسمت ہے کہ شرر کو بھی اس پر ناز ہے۔ یہ رسالہ کئی دفعہ بند ہوا لیکن اس کی مقبولیت میں ذرا بھر کمی واقع نہ ہوئی۔ ''دلگداز'' وہ رسالہ تھا جس نے شرر کی آرزوؤں، تمناؤں اور خواہشات ونظریات کو پبلک تک پہنچا کر ان کی عزت ووقار میں اضافہ کیا۔ یہ وہ رسالہ تھا کہ جو نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ مکہ معظمہ کی سرزمین میں بھی مقبول تھا۔ اس ضمن میں شرر لکھتے ہیں:

صاحبو! ہمیں آج تک حج بیت اللہ اور زیارت نبوی کی تمنا ہی رہی مگر ہمارا دلگداز ہر مہینے مکہ معظّمہ میں حاضری دے آتا ہے اور ایسے ایسے متبرک ومحترم مقامات اور انوار قدس کی ایسی پاک منزلوں میں اس کی رسائی ہوجاتی ہے جہاں تک ہماری آرزو بھی خیال کے پروں سے اُڑ کے نہیں پہنچ سکتی۔ [۱۸]

دلگداز نہ صرف عوام الناس کا پسندیدہ رسالہ تھا بلکہ روسائے قوم و والیان ملک اور امراء بھی اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دلگداز جہاں مردوں کی دنیا میں مقبولیت و اہمیت اور قدر و قیمت رکھتا تھا وہاں مہذب تعلیم یافتہ پاک دامن عورتیں بھی اسے

قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ شرر رقمطراز ہیں:

---تعلیم یافتہ اور صاحب علم خاتونیں ،عفت شعار و پاک دامن بیبیاں جن کے دامن عفت پر حوریں نماز پڑھتی ہیں اور جن کے حریم محترم تک ہواؤں کا بھی گزر نہیں ہوسکتا۔ان کی پاک بازی وعصمت شعاری کی خلوت گاہ میں اسے آپ ویسا ہی مقبول اور ویسا ہی رسا اور باریاب پائیں گے جیسا کہ دوسرے مقامات میں۔[19]

یہ رسالہ ہر طبقہ فکر کو بہت دل عزیز تھا ۔ اس کو وہ نگاہیں خدا کی طرف سے ملی ہوئی تھیں جن کی بنا پر وہ اپنے ناظرین و احباب کو دیکھتا تھا۔ اسے وہ راز دارانہ کان دیے گئے تھے جن کی وجہ سے وہ ناظرین کی باتیں سن سکتا تھا اور ہر بری وبھلی صحبت میں اسے پذیرائی ملتی تھی ۔مرد و زن اس کے صفحات کو پڑھ کر محظوظ ہوتے تھے۔اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف اور ایک ایک سطر پڑھ کر ان کا دل چاہتا کہ دل و جان اس پر لٹادیں۔اس رسالے کو قبول عام کیوں نہ حاصل ہوتا۔اس لیے کہ یہ اپنی وضع کو نہیں چھوڑتا تھا ،اگرچہ ہر صحبت میں جاتا تھا، لیکن نہ تو کسی سے متاثر ہوتا تھا اور نہ کسی کے رنگ ڈھنگ کواپنانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کے اس انداز کے متعلق شرر لکھتے ہیں:

ہر صحبت میں جاتا تھا مگر اس سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ کچھ اپنا ہی اثر ڈال دیتا ہے۔ وہ سب کا بن گیا اور سب نے اسے اپنا بنالیا۔مگر پھر بھی وہ ویسا ہی الگ تھلگ رہا جیسا کہ تھا وہ ہر ایک کی دلداری کرتا اور ہر سینے میں اپنی جگہ پیدا کر لیتا۔مگر اس لیے نہیں کہ ان کی برائیوں کو اختیار کرے جس طرح زاہد شب زندہ دار کے پاس جاکے وہ نمازیں پڑھتا اسی طرح ایک شرابی کی صحبت میں بیٹھ کے وہ شراب نہیں پینے لگتا۔[20]

اس رسالے کی مقبولیت میں اضافہ اس وجہ سے ہوا کہ محبت و الفت کی محفلوں میں یہ محبت کے چراغ کو روشن کرتا ،اور اگر یہ چراغ پہلے ہی سے روشن ہوتا، تو اس کی لو کو اوز یادہ بڑھاتا ، مذہبی دنیا میں وہ ہل چل پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا ۔ دینداری کی محفلوں میں ایک طرف وہ جوش وعقیدت کے جذبات کو ابھارتا تھا تو دوسری طرف اپنے ناظرین کو خدا کی طرف متوجہ کرتا تھا۔علمی دنیا میں بھی اس کو قدر و منزلت حاصل تھی اور کیوں نہ ہوتی۔ اس لیے کہ یہ اعلیٰ درجے کے علمی مسائل پر بحث کرتا تھا اور اپنے وجود سے بڑے بڑے علمی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیتیں رکھتا تھا۔ یہ اپنے ناظرین اپنے احباب اور قدر افزاؤں اور قدر دانوں میں عجیب وغریب قسم کا ذوق و شوق پیدا کرنے والا رسالہ تھا۔ اس سے ہر صحبت اپنے مذاق کے مطابق لطف اٹھا سکتی تھی۔ ہر گروہ کے لیے دلچسپی کے سامان اس میں موجود ہوتے تھے او رہر ذہنی سطح کا شخص اس سے ذوق حاصل کرتا تھا۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ اس سے کبھی کسی کو شکایت نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک کے دل میں جگہ پانے کی صلاحیتوں سے مالا مال ، ہر دلعزیز پرچہ روز بروز مقبول سے مقبول تر ہوتا گیا، شرر کے ادبی فن پاروں کو اپنے صفحات میں جگہ دے کر روز بروز ان کے ادبی مقام و مرتبہ کو بلند سے بلند تر کرتا گیا۔ اس سے بڑھ کر اس کی مقبولیت کا اندازہ اور کیا ہوسکتا ہے۔شرر کو اپنے باقی تمام اخبارات اور رسائل میں یہ پرچہ بہت عزیز تھا۔شرر کا یہ ماہنامہ رسالہ خالص ادبی اور تاریخی رسالہ ثابت ہوا۔ شرر کو تاریخ اور ادب دونوں سے بہت لگاؤ تھا۔ اس رسالے کی زبان خوب صورت اور شستہ ہوتی تھی۔ شرر اگرچہ سرسید کی تحریک علی گڑھ سے منسلک نہ تھے لیکن اس رسالے کے اداریوں اور مضامین کے مطالعے سے سرسید کی سادگی وسنجیدہ نثر کے آثار بھی ملتے ہیں۔ اس رسالے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں لکھنو کی زبان کی چاشنی اور سرسید کی طرز کی نثر کے نمونے ملتے ہیں۔ اس رسالے کے مقالات پر بھی سرسید اور ان کے تہذیب الاخلاق کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر انعام الحق کوثر:

دلگداز ایک ماہنامہ رسالہ تھا جسے عبدالحلیم شرر نے ۱۸۸۷ء سے جاری کیا تھا یہ ایک خالص ادبی و تاریخی رسالہ تھا۔ شرر کو ادب اور تاریخ دونوں سے گہری دلچسپی تھی ۔ان کے رسالے کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی خوب صورت اور شستہ زبان ہے۔ شرر اور ان کا خاندان سرسید تحریک سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے رسالے میں جہاں ایک طرف لکھنو کی زبان کی چاشنی و شیرینی ملتی ہے تو دوسری طرف سرسید کی سادگی اور سنجیدگی کے آثار بھی واضح ہیں۔ رسالے میں جو علمی مقالات چھپتے تھے ان پر سرسید کے تہذیب الاخلاق کا اثر بالکل واضح ہے۔ شرر چونکہ سرسید کے معاصر تھے اور ان کا اثر پایا جانا ایک فطری عمل ہے۔[۲۱]

حواشی

۱۔ مولانا بشیر الدین، عبدالحلیم شرر، مشمولہ، روزنامہ زمیندار، لاہور، ۳۰ جنوری ۱۹۲۷ء، ص۴

۲۔ فاروق عثمان، مقدمہ، دل گداز، عبدالحلیم شرر، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۹

۳۔ عبدالحلیم شرر، دل گداز (ترتیب و تدوین)، فاروق عثمان، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۲۹

۴۔ عبدالحلیم شرر، ۱۸۸۷ء اور ہم، مضامین شرر جلد اول حصہ سوم، مرکنٹائل پریس، لاہور، س۔ن، ص۲

۵۔ ایضاً، ص۲۔۳ ۶۔ ایضاً، ص۳۔۴۔۵ ۷۔ ایضاً، ص۱۲۔۱۳

۸۔ عبدالحلیم شرر، ۱۸۹۰ء کا خیر مقدم، مشمولہ، مضامین شرر، جلد اول حصہ سوم، مرکنٹائل پریس، لاہور، س۔ن، ص۲۵

۹۔ عبدالحلیم شرر، ۱۸۹۰ء کا اختتام، ص۳۲ ۱۰۔ عبدالحلیم شرر، قدر ہر نعمت است بعد از زوال، ص۳۷

۱۱۔ عبدالحلیم شرر، ۱۹۰۸ء اور دلگداز، ص۲۷ ۱۲۔ ایضاً، ص۷۰۔۷۶

۱۳۔ عبدالحلیم شرر، دلگداز، ص۷۸۔۷۹ ۱۴۔ عبدالحلیم شرر، ۱۹۱۰ء سے رخصتی ملاقات، ص۸۵

۱۵۔ عبدالحلیم شرر، آ ! ۱۹۱۴ء آ، ص۱۳۰ ۱۶۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، نیشنل بک ہاؤس، لاہور، ۱۹۲۹ء، ص۵۴۴۔۵۴۵

۱۷۔ علی عباس حسینی، ناول کی تاریخ اور تنقید، انڈین بک ڈپو، لکھنو، ۲۰۰۰ء، ص۲۷۲

۱۸۔ عبدالحلیم شرر، ہم اچھے ہیں یا ہمارا دلگداز، ص۴۴۱ ۱۹۔ ایضاً، ص۴۴۱۔۴۴۲ ۲۰۔ ایضاً، ص۶۶۳

۲۱۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، اردو کی علمی ترقی میں سرسید اور ان کے رفقا کا حصہ، لائبریری پروموشن بیورو، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص۴۳۹